ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

محمد اکرام

پی ایچ ڈی اردو اسکالرز، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر ارشد محمود آصف (ارشد معراج)

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی۔ اسلام آباد

علی محمد فرشی کی نظم میں قدرتی ماحول: ماحولیاتی تنقید کے تناظر

Muhammad Ikram
Ph.D. Urdu Scholars IIUI, Islamabad)
Dr. Arshad Mahmood Asif (Arshad Meraj),
Assistant Professor, Urdu Dept. IIUI Islamabad

Natural Environment in Ali Muhammad Farshi's Poems: In context of Eco Criticism

Ali Muhammad Farshi is a famous poet. His poems are multidimensional. One of main topic of his poems is natural environment. He beautifully present the case of nature survival in his poems. In context of eco criticism (a literary theory that is the study of the relationship between literature and the physical environment) his poems have been analyzed in this article.

Key Words: *Ali Muhammad Farshi, Multidimensional poems, Eco Criticism, Natural Environment.*

روز افزوں ترقی، سائنس اور ٹیکنالوجی کے بڑھتے ہوئے رجحانات نے ہر طبقۂ فکر اور اندازِ زندگی کو متاثر کیا ہے۔ اس ترقی کے ایسے ہی اثرات ماحول پر بھی پڑے ہیں۔ شہروں میں بڑھتی ہوئی آبادی، جدید ٹیکنالوجی، ذرائع آمد و رفت، فیکٹریوں کے دھوئیں اور فاضل مادوں کے اخراج نے ماحول کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس کے علاوہ پچھلی صدی میں ہونے والی ہول ناک جنگوں میں بھی وسائل کا بہت ضیاع ہوا ہے۔

قدرتی ماحول کی تباہ کاری کے اثرات اور نقصانات کو عالمی سطح پر شعرا نے اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔ بیسویں صدی میں جہاں اور کئی ادبی تحریکوں نے جنم لیا اور تنقیدی نظریات سامنے آئے وہاں ماحولیاتی تنقیدی (Eco-criticism) تھیوری بھی منظرِ عام پر آئی۔ شیرل گلاٹفلٹی لکھتی ہیں:

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

"بنیادی تصورات میں متفاوت تبدیلیوں اور تحقیق کے وسیع تر امکانات کے باوجود تمام تر ماحولیاتی تنقید کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ انسانی ثقافت طبعی دنیا سے منسلک ہے، اس پر اثر انداز بھی ہوتی ہے اور اس کے اثرات بھی قبول کرتی ہے۔ ماحولیاتی تنقید فطرت اور ثقافت کے مابین باہمی روابط، بالخصوص ادب اور زبان کے ثقافتی اوضاع کو موضوع بناتی ہے۔ ایک تنقیدی مؤقف کی حیثیت سے یہ ایک طرف ادب سے وابستہ ہے اور دوسری طرف زمین سے۔ جب کہ ایک نظری کلامیے کے طور پر یہ انسانی اور غیر انسانی مخلوق کے مابین مکالمے کی راہ ہموار کرتی ہے"(۱)

ایک اور جگہ لکھتی ہیں:

"ماحولیاتی تنقید سے رونیکرٹ کی مراد "ادب کے مطالعات میں ماحولیات اور ماحولیاتی تصورات کا اطلاق" ہے"(۲)

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایسے تمام تصورات جو ماحول سے متعلقہ ہوں وہ ماحولیاتی تنقید کا حصہ ہیں۔ اپنے مضمون میں لکھتی ہیں:

"ماحولیاتی تنقید "دنیا" کے تصور کو وسیع کرتی ہے اور اس میں ماحولیاتی کُرے کی شمولیت کو بھی یقینی بناتی ہے"۔(۳)

ولیم رونیکرٹ کے بعد یہ تھیوری وسیع ہوتی گئی۔ مجموعی طور پر ہم اس تھیوری (ماحولیاتی تنقید) کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ماحولیاتی تانیثیت(Eco Feminism)

۲۔ماحولیاتی ثقافت(Eco Culture)

۳۔ طبعی یا قدرتی ماحول(Physical/Natural Environment)

مقالہ ہذا ماحولیاتی تنقید کی درج بالا تیسری جہت "قدرتی ماحول" کے تناظر میں علی محمد فرشی کی نظم میں اظہار کو پیش کرے گا۔ انسان کا قدرتی ماحول سے کیا تعلق، واسطہ اور رشتہ ہے؛ نباتات، حیوانات اور جمادات انسان اور کائنات کے لیے کس قدر لازم ہیں نیز قدرتی ماحولیاتی تناظر میں انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں نباتات، حیوانات

اور جمادات کے بگاڑ اور پامالی کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے، مذکورہ پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم علی محمد فرشی کی نظم میں قدرتی ماحول کا جائزہ لیں گے۔

جدید نظم نگاروں کے ہاں موضوعات کا تنوع اور رنگا رنگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ انھوں نے روایتی مضامین کے ساتھ ساتھ جدید فکری رجحانات اور فلسفیانہ نظریات کو بھی اپنی نظموں کا حصہ بنایا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر طارق ہاشمی لکھتے ہیں:

> "جدید اردو نظم کی سماجی حیثیت کا بنیادی حوالہ شہروں میں تشکیل پانے والی وہ تیز رفتار اور مشینی زندگی ہے جس نے فطرت سے مرحلہ وار بعد اختیار کیا ہے۔ جدید نظم گو شعرا نے اس سوال کو بنیادی اہمیت دی ہے کہ صنعتی ترقی کی صورت میں حیاتِ انسانی کن کن تبدیلیوں سے دوچار ہوئی اور ان تبدیلیوں کی صورت میں انسان کو کس نوع کے گھمبیر مسائل بطورِ فرد اور اجتماع پیش آئے۔"(۴)

اِن نظم نگاروں کے ہاں کائنات اور طبعی ماحول کا مختلف شکلوں میں اظہار دیکھنے میں ملتا ہے۔ گو اردو کی کلاسیکی شاعری ہی سے قدرتی ماحول کی علامتوں کا چلن ہو گیا تھا لیکن اس کے تحفظ اور بقا کو جدید نظم نگاروں نے اپنی نظموں میں خصوصی جگہ دی ہے۔ احمد سہیل نے امداد امام اثر کو پہلا ماحولیاتی نقاد قرار دیا ہے۔ اکبر الہ آبادی، الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد، علامہ محمد اقبال، ن۔ م راشد اور میرا جی نے بھی ماحولیات کے موضوع پر خامہ فرسائی کی(۵) لیکن قدرتی ماحول کو مجید امجد نے اپنی شاعری میں جس طرح جگہ دی ایسی مثال اردو شاعری میں نایاب ہے۔ مجید امجد کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "گویا مجید امجد نے احساسی سطح پر خود کو شجر سے اس طور ہم آہنگ کر لیا ہے کہ شجر کے کٹنے پر اسے خود اپنے اعضا کٹنے کا احساس ہوتا ہے۔ یہ ہم آہنگی کسی اضطراری جذبے کی پیداوار نظر نہیں آتی بلکہ سائیکی کے اس دیار سے منعکس ہوتی لگتی ہے جہاں آج بھی درخت سے انسان کا انسلاک لہو کے سمنبدھ کا درجہ رکھتا ہے"(۶)

مجید امجد کے بعد کئی نظم نگاروں نے قدرتی ماحول کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ تبسم کاشمیری کی نظم " لمحے لمحے کا اجنبی "کشور ناہید کی " پیدائش سے پہلے " رفیق سندیلوی کی نظم " تندور والا " حسین عابد کی نظم " جنگ "

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

جاوید شاہین کی "پانی درخت اور پرندے" نصیر احمد ناصر کی نظم "ابد کے پرندو" ایسی نظمیں ہیں جن میں عصری ماحولیاتی مسائل سے پردہ کشائی کی گئی ہے اور اسے محفوظ کرنے اور اس کو آلودہ ہونے سے بچانے کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ایسے شعرا جنھوں نے ماحولیاتی مسائل کی طرف خصوصی توجہ دی ان میں اہم نام علی محمد فرشی کا بھی ہے۔علی محمد فرشی اپنی نظم میں ماحول یا فطرت کی اشیا سے بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہیں۔" میں زمین کا لباس تہ کر سکتا ہوں" نظم میں انھوں نے قدرتی عناصر کو سمیٹ کر اپنی نظمیں بُنّے کو ذکر کیا ہے:

"میں پرندوں میں اس قدر محو ہو جاتا ہوں
کہ مجھے یاد ہی نہیں رہتا
میں ایک شاعر ہوں"(۷)

اسی نظم میں پرندوں کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

"پھر یکا یک سارے پرندے اڑنا بھول جاتے ہیں
اور میری نظم کی شاخوں پر آ بیٹھتے ہیں
مجھے کچھ یاد نہیں رہتا
کہ میں درخت کب بنا تھا"(۸)

علی محمد فرشی کی شعری تصانیف میں: "تیز ہوا میں جنگل مجھے بلاتا ہے" (۱۹۹۵)، "دکھ لال پرندہ ہے" (۱۹۹۸)، "علینہ" (۲۰۰۲)، "زندگی خودکشی کا مقدمہ نہیں" (۲۰۰۴) "غاشیہ" (۲۰۱۴) اور "محبت سے خالی دنوں میں" (۲۰۱۶) شامل ہیں۔ان کی شاعری میں بے شمار جگھوں پر قدرتی ماحول کے خوش گوار ہونے کے انسانی زندگی پر مثبت اثرات کے عناصر ملتے ہیں۔چوں کہ اس سے ملتا جلتا رجحان رومانوی فطرت پسندوں کے ہاں بھی پایا جاتا ہے؛ نیز یہاں جگہ کی قلت بھی ہو گی اس لیے اس پہلو سے پہلو تہی کرتے ہوئے قدرتی عناصر نباتات، حیوانات اور جمادات کو پامالی سے بچانے یا ان کے بحالی کے لیے لکھی جانے والی نظموں کو یہاں منتخب کیا گیا ہے۔رومانوی شعرا نے بھی ماحولیات کو اپنا موضوع بنایا لیکن جس طرح جدید شعرا نے اس کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا اور جتنے واضح انداز میں اس کے تحفظ کی بات کی، اس سے پہلے اس کی مثال مفقود ہے۔

"The Romantic poets, often writing about beautiful rural landscape as a source of joy, made nature poetry

a popular poetic genre. When writing environmental poems today, contemporary poets tend to write about nature more broadly than their predecessors, focusing more on negative effects of human activity on the planet."(۹)

اگر تنقید تھیوری کے اعتبار سے ماحولیاتی تنقید کی بات کی جائے تو یہ بشر مرکز تھیوری (۱۸۶۰) کے برعکس ہے۔ دراصل بشر مرکز نظریہ تکبر آمیز ہے اور انسان کے علاوہ دیگر تمام چیزوں کی نفی ہے۔ اسے انسانی فخر، گھمنڈ یا استبداد؛ کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ماحولیاتی تنقید نے بنیادی طور پر تمام تنقیدی نظریات سے خوشہ چینی کی ہے اور اپنی راہیں ہموار کی ہیں۔ اس لیے یہ تھیوری دیرپا قائم رہتی نظر آتی ہے۔ اس سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو اس تھیوری نے ادب کو سائنس کے بہت قریب کر دیا ہے نیز یہ وقت کی اہم ضرورت اور انسان کی اپنی بقا کا مسئلہ بھی ہے۔ اس ضمن میں ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"ماحولیاتی تنقید کی علمیات، دیگر تنقیدی دبستانوں کے تصورِ دنیا پر تنقید سے غذا حاصل کرتی ہے۔ یعنی ادب سے متعلق ایسا "علم" دیتی ہے جو دوسرے نظریات سے چھوٹ گیا ہے، یا ان نظریات کی علمیات میں جگہ نہیں پا سکا؛ ماحولیاتی تنقید اسے پہلے اجاگر کرتی ہے، پھر اسے اپنی علمیات کا حصہ بناتی ہے۔ اس طرح وہ اچانک کسی حادثے کے نتیجے میں یا کسی مفکر کو معاً سوجھنے والے نظریے کی پیداوار نہیں بلکہ معاصر تنقیدی نظریات کی خالی جگھوں کو پُر کرنے والا نظریہ بننے کا رجحان رکھتی ہے۔"(۱۰)

کہا جاتا ہے کہ فطرت کا انتقام بہت شدید ہوتا ہے۔ اس انتقام کی کئی صورتیں: طوفان، گرد باد، خشک سالی، پانی کی قلت، موسمی شدت، طوفانی بارش، اور سیلاب کی شکل میں ہو سکتی ہیں۔ یہ تمام کافی حد تک انسانی عمل کے ردِ عمل کی وجہ سے ہیں۔ جب قدرتی ماحول کا انتقام وقوع پذیر ہوتا ہے تو جہاں ماحول مزید خراب ہوتا ہے وہاں انسانی املاک، جان و مال، اور خواہشات کو نیست و نابود کر جاتا ہے۔ ہر صورت میں نقصان انسان ہی کا ہوتا ہے لیکن یہ حضرت اپنی مستی میں اس قدر مست اور اپنی دھن میں اس قدر منہمک ہے کہ اپنے سے وابستہ اشیا و مظاہر کے عمل و

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ردِ عمل کے اچھے برے نتائج کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خواہشات کی تکمیل کے لیے بے سروپا بھاگے جا رہا ہے۔ اپنی نظم "سیلاب" میں پانی کی تباہ کاریوں کی موضوع بناتے ہیں:

"سر سراتا، شوکتا، نکلا تھا موذی اژدھا
جیسے قیامت کی نشانی
اس طرح پانی
نکل آیا تھا دوزخ کی دہکتی کوکھ سے
اک معجزہ تھا یا عذاب"(۱۱)

کائنات میں موجود ہر شے اہم اور ضروری ہے۔ کسی چیز کو دوسری چیز پر فوقیت دینا مناسب نہیں ہے۔ اس نظام میں موجود ہر چیز اپنی اتنی زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے نہ ہونے، معدوم ہونے یا اس کی ذات پر آنچ آنے سے نظامِ دنیا میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ "پینو راما اور پرندہ" نظم ایک مکالمہ ہے جس میں پرندہ ہوا سے مکالمہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کے وجود اور اس کے خوابوں کی وجہ سے ارتقا کی منازل طے ہوئی ہیں۔ ہوا آگے سے کیا ردِ عمل ظاہر کرتی ہے، دیکھیے کس طرح ہوا اپنی اہمیت ظاہر کرتی ہے:

"مسکرائی ہوا
"پھر نیا زائچہ اک بنانے لگی
آسماں سے
پرانے مناظر مٹانے لگی"(۱۲)

ہیروشیما اور ناگاساکی جاپان کے دو شہر ہیں جن پر دوسری عالمی جنگ کے دوران میں امریکا نے ۶ اور ۹ اگست ۱۹۴۵ کو ایٹم بم گرائے۔ ایک اندازے کے مطابق انسانی جانوں کا جو ضیاع ہوا وہ ساڑھے تین لاکھ کے لگ بھگ ہے جب کہ دونوں شہر مکمل طور پر جل کر راکھ ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں بموں کے بعد بھی جو لوگ اپنے پیاروں کو تلاش کرنے گئے وہ بھی تابکار شعاعوں کے باعث ہلاک ہو گئے۔ اس ایٹمی حملے میں تمام جانور، پودے اور حشرات مکمل طور پر جل کر ختم ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آج ۷۷ سال گزرنے کے بعد بھی وہاں تابکاری کے اثرات موجود ہیں۔ اس حملے کے دوران بیاکو شانامی خاتون جو زندہ بچی، اس کے مطابق: "اس دن شہر میں سب کچھ جل کر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

راکھ ہو گیا تھا، لوگ، پرندے، ڈریگن، مکھیاں، گھاس، سب کچھ "(۱۳)ایٹمی تباہ کاری اور اس کے ہتھیاروں کے استعمالات، اور ان کے نقصانات کے متعلق بھی علی محمد فرشی کے بے شمار نظمیں ملتی ہیں۔

"طلسماتی ہاتھوں نے
گیندوں کی مانند ایٹم بموں کو اچھالا
تماشائی حیران تھے
کیسے جادوگروں نے
زمیں
راکھ کی ایک مٹھی میں تبدیل کر دی!(۱۴)

ایک اور نظم میں لکھتے ہیں:

"وہ جب چاہیں گے
مونالیزا اور وینس کی خواب گاہوں میں
پریوں اور اپسراؤں کی سیر گاہوں میں
ہیروشیما اور ناگاساکی رچائیں گے
موت کے "مچ "مچائیں گے "(۱۵)

ہر طرح کے برے حالات اور موسم کی شدت کا بہت حد تک انسان ذمہ دار ہے۔ برف کیسے پگھلتی ہے، سیلاب کیسے آتے ہیں، موسم میں شدت کیوں کر آتی ہے اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے انسان عمومی طور پر اپنی کوتاہیوں کو نظر انداز کر جاتا ہے۔ شاعر نے طوفان کی شدت سے پرندوں کا زخمی ہونا، ان کے گھونسلوں کا تباہ ہو جانا، ان کا پریشان ہونا اور شاخوں کا ٹوٹنا وغیرہ موضوع بنائے ہیں۔ ایسے ہی معصوم حشرات کا ذکر کرتے ہیں:

"وہ تتلی جو سپنا بناتے ہوئے دھوپ کا، سو گئی
جس کو طوفان نے بے خبر پا لیا—نیند میں آ لیا
ساتواں دن ابھی جس نے دیکھا نہ تھا
رات اس کے لیے مستقل ہو گئی

وہ، جو سپنا بناتے ہوئے سو گئی!"(۱۶)

نظم "کینچوے کے بل میں" اپنی نوعیت کی منفرد نظم ہے۔ اس میں شاعر فنِ تعمیر کی تاریخ اور آثارِ قدیمہ پر تحقیق اور کام کرنے کے تمام منصوبے اور ارادے منسوخ کر کے زیرِ زمین بقائے حیات کی طرف توجہ مبذول کرواتا ہے۔ آغازِ کلام میں ایٹمی موت اور ایٹمی جنگ پر ایٹمی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے کہتا ہے کہ تعمیری سوچ کو تخریبی سوچ پر فوقیت دینی چاہیے۔ مزید کہتا ہے کہ ہم نے ترقی کر کے اپنے اور روئے زمین پر بسنے والے دیگر عناصر کے لیے تباہی کے راستے تو دریافت کر لیے ہیں لیکن زندگیاں محفوظ کرنے کے لیے مناسب اقدام کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ انسان نے تخریبی سرگرمیوں کی طرف تو خاصی توجہ دی لیکن تعمیری کاموں میں اس کی دل چسپی کا فقدان تھا۔ تعمیری سرگرمیوں کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے قدرتی طور پر پائے جانے والے غیر اہم اور معمولی حیثیت کے جانوروں کے بقا اور تحفظ میں مینڈکی کے انڈوں کی حفاظت، چوہوں سے جینیاتی تعلق اور سماجی رشتے دریافت کرنے اور زیرِ زمین بقائے حیات کو پائیدار کرنے کی بات کرتا ہے۔ نیز شاعر اس راز سے پردہ افشا کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ کس طرح پتھروں کے اندر کیڑوں کو رزق ملتا ہے۔ شاعر کے ہاں یہ جان دار نہایت اہم موضوعات ہیں جن پر انسان کو چاہیے کہ تحقیق کرے اور دیگر منصوبے ملتوی کر کے اس طرف توجہ دے۔ دراصل شاعر گہرا شعور رکھتا ہے کہ ماحول میں موجود قدرتی طور پر پائے جانے والے جان داروں کی بقا ہی میں انسانی بقا ہے۔ ایسی ایک نظم "چوگا" کے نام سے احمد ندیم قاسمی کی بھی ہے جس میں یہ ایٹمی طریقے سے اناج کر بہتر کرنے کی طرف قاری کی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔

"ہمیں چوہوں کے ساتھ
اپنا جینیاتی رشتہ معلوم کرنا ہوگا
اور کچھ سماجی بنیادیں دریافت کرنا ہوں گی
زیرِ زمین بقائے حیات کو پائیدار بنانا ہوگا"(۱۷)

"دہانہ" نظم میں ننھے منھے کیڑے- چیونٹی کو مذکور کر کے اس کی تگ و دو اور کوشش کو انسانی محنت و مشقت کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ یہ نظم ہم کئی پہلوؤں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اول یہ کہ چھوٹے چھوٹے حشرات بھی انسان کی طرح جہدِ مسلسل اور کوشش و کاوش کرتے ہوئے مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ

انسان سے کسی طور پر کم نہیں ہیں کیوں کہ یہ بھی انسانوں کی طرح پورا سال اناج اکٹھا کرتے گزار دیتی ہیں، جو مسلسل ختم ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ حشرات اور کیڑے مکوڑے بھی اپنی بقا کی جنگ لڑنے میں مصروف ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے انسان۔ چیونٹی گو اپنے وزن سے کئی گنا زیادہ وزن اٹھا لیتی ہے لیکن مجموعی طور پر اسے یا اس کے پورے لشکر کو تھوڑے سے اناج کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اناج اکٹھا کرتے ہوئے ایک قطار میں چلتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بادشاہ کہیں ایک ہی جگہ بیٹھا رزق تقسیم کر رہا ہے اور یہ اُس سے دانہ دُنکا لے کے واپس اپنے بل میں آ رہی ہوں۔

جس طرح انسان مسلسل کھانے کی شکل میں اناج کھاتا رہتا ہے لیکن پھر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور کچھ وقت کے بعد اناج ہضم ہو کر فضلے کی شکل میں جسم سے خارج ہو جاتا ہے اور پیٹ کا غار نہیں بھرتا ہے۔ شاعر نے اس نظم میں چیونٹی کی حیثیت اور اہمیت انسان کے تقابل لا کر کھڑی کر دی ہے۔

"ایک سوراخ ہے
چیونٹیاں جس میں آتی ہیں
دانہ دانہ اٹھائے ہوئے اپنی تقدیر کا
بوجھ دل کا سنبھالے لگاتار آتی رہتی رہیں
دور اندر کہیں غار تھا
جس میں بیٹھا ہوا دیو کھاتا ہے
کیڑوں کی محنت"(۱۸)

"چڑیا کے فاقہ زدہ گیت" نہایت مختصر لیکن تکنیکی اعتبار سے مکمل نظم ہے۔ اس نظم میں چڑیا کو سامنے رکھ کر پرندوں کے گزر بسر کرنے کے سادہ ترین طور طریقے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں علامتی انداز میں بتاتا گیا ہے کہ انسان پرندوں سے محبت تو کرتا ہے لیکن اسے جب قفس میں ڈال دیا جائے تو آزادانہ اڑنے کی فطرت رکھنے والے پرندے غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ گیت گانا چھوڑ دیتے ہیں جو انسان کے لیے باعثِ خوشی یا باعثِ مسرت ہیں۔ دراصل گیت گانا اور چہچہانا پرندوں کی فطرت میں شامل ہے اور فطرت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ کبھی نہیں بدلتی۔ کائنات میں ہر شے کی ایک فطرت ہے جس کے مطابق ہر زندگی گزارتی ہے۔ سب سے زیادہ اگر

کسی ذی روح کی فطرت میں تغیر پایا جاتا ہے تو وہ انسان ہے۔ شاید اسی لیے انگریزی میں ہر نسل (سپی شیز) کے نمائندہ جان ور کے ساتھ "the" کا استعمال کیا جاتا ہے لیکن انسان کے لیے نہیں لگایا جا سکتا۔ نظم ملاحظہ ہو:

"میرے گیت کل
شام سے بھوکے ہیں
صبح میں نے انھیں گوکھرو کھلائے تھے
اب دوپہر کو کنکر
اب میری آنکھوں میں
اتنی سکت نہیں
کہ انھیں خاموش دیکھ سکوں" [۱۹]

جانوروں کے ذبح کیے جانے اور ان کی کمی بھی اہم مسئلہ بن کر سامنے آ رہا ہے۔ انسان لذتِ کام و دہن کے لیے اس کے گوشت سے طرح طرح کے لذیذ کھانے بنانے کے فن سیکھ چکا ہے۔ جدید سائنس یہ بھی ثابت کر چکی ہے کہ ایک خاص مقدار سے زیادہ گوشت خوری انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے لیکن ایک بار زبان کو جس شے کا چسکا لگ جائے وہ کب چھوٹتا ہے۔ انسان تو ہے ہی نرا خواہشات کا مجموعہ۔ یہی خواہش تھی کو اسے جنت سے نکلوا لائی تھی اور ابد تک اس کے ساتھ رہے گی۔ مختلف مذہبی رسومات کے طور پر جانوروں کے ذبح کا مسئلہ بھی گھمبیر ہوتا جا رہا ہے۔ اسی موضوع کا مختصراً احاطہ کرتے ہوئے یہ نظم پابندِ قرطاس کی گئی ہے۔

""عیب دار جانوروں کی قربانی جائز نہیں"
یہ سُن کر سینگ ٹوٹی بکری خوشی سے منمنائی
لیکن اسے علم نہیں تھا کہ
صدقے کے لیے یہ شرط
لازمی نہیں" [۲۰]

تمام ذی روحوں کے لیے آکسیجن بہت اہم جزو ہے۔ پودے آکسیجن فراہم کرنے کا اہم ذریعہ ہیں۔ اگر درخت کاٹے جاتے رہیں تو ایک کرہِ ارض پر آکسیجن کی کمی واقع ہو جائے گی۔ نظم "TITANMAN" میں انسانی

ارتقا کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ صنعتی ترقی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث درختوں اور جنگلات کی کمی کی وجہ سے پرندوں کی آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ہونے والی اموات یا مدہوشی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ آکسیجن کے علاوہ بھی درخت کئی طرح سے جانوروں اور حشرات یا چرند پرند کے لیے مفید ہیں۔ پروین شاکر کا زباں زدِ عام شعر ہے:

؎اس بار جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

آکسیجن ہر ذی روح کی ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار زندگی سے انکار کے مترادف ہے۔ آکسیجن کی کمی یا ہوا میں دھوئیں کی وجہ سے آلودگی، انسانوں اور جانوروں کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔

"پھر اس نے بہت نیچے پھیلے ہوئے
جنگلوں پر نظر ڈالی
اور ان پرندوں پر افسوس کیا
جس کے پر اس کی پنڈلیوں کا بوسہ لے رہے تھے
لیکن ان کے ننھے سر
آکسیجن کی کمی کا شکار ہو کر چکرانے لگے تھے"(۲۱)

انسان کو چاہیے کہ اپنی ضرورت کے مطابق ایک مناسب حد تک قدرتی وسائل سے مستفید ہو۔ لیکن انسان نے زمین کو کھود کر تیل پانی کے حصول کے بعد طمع اور لالچ میں آکر زیادہ سے زیادہ زمینی وسائل پر قبضہ جمانے کے لیے تگ و دو اور کوشش شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں آدم زاد اپنے بھائی کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ زر، زن، زمین کے جھگڑوں سے ابھی آدم زاد باہر نہیں نکلا تھا کہ اس نے جنگوں کے لیے سامان تیار کر لیا۔ اس کا نقصان انسان کو تو ہوا ہی ہوا لیکن قدرتی وسائل بھی ضائع ہوئے۔ ان میں نہایت قیمتی درخت "زیتون کے باغات" جل کر راکھ ہو گئے ہیں۔ یہی ہلکا سا اشارہ پانی کے ضیاع کا بھی ملتا ہے۔ پانی جہان ہر حرکت کرنے والی ذی روح کی ضرورت ہے وہاں ہر پودے اور درخت کی زندگی بھی پانی کے سبب ہی سے ممکن ہے۔ اگر پانی کم ہو گیا تو اس کا اثر بلا شبہ نباتات پر بھی پڑے گا۔

"اترتے ہی چلے جاتے ہو دوزخ میں
کنوئیں سے تیل پانی کی ضرورت تھی
مگر تم نے چڑیلیں آگ کی اس سے نکالیں
اور مرے زیتون کے باغات منٹوں میں جلاڈالے
زمیں ماں کے کنویں (باغات کو سیراب کرتے) تھے۔"(۲۲)

ایسے ہی اپنی نظم "گمشدہ" میں زمین کی گمشدگی کو ذکر کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی لڑکی کی مانند ہے جسے اپنا گھر بھول گیا ہو اور یہ پریشان اور سہمی ڈری کھڑی ہو۔ ایک اور نظم میں کہتے ہیں کہ پانی کو وجود اگر ختم ہو گیا؛ جس طرح یہ مختلف دریاؤں میں ختم ہو چکا ہے تو ایک دن انسان کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔

"مجھے دیکھ کر ہنس رہی ہو
کثافت میں لت پت پڑے
روشنی کے بدن کو
یوں ہنستے ہوئے دیکھنے والی آنکھو!
مرے سارے دریا
تمھارے سمندر کی جانب رواں ہیں"(۲۳)

ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شاعر کو اپنے ارد گرد کے ماحول اور اشیا سے محبت ہے جو کئی شکلوں میں اس کی شاعری میں وارد ہوتی ہے۔ درخت، پرندے، حشرات، ہوا، پانی اور جانوروں کی، انسان کی پیدا کردہ جنگوں یا دیگر سرگرمیوں کی وجہ سے پامالی اوران کی بقا کا مسئلہ ان کی شاعری میں تواتر سے ملتا ہے۔ انسانی بقا کا راز قدرتی ماحول کی بقا میں مضمر ہے اس لیے انسان کو چاہیئے کہ قدرتی ماحول اور اجزا کی حفاظت کرے۔

حوالہ جات

۱۔اورنگ زیب نیازی،ڈاکٹر(مترجم)"ماحولیاتی تنقید(نظریہ اور عمل)"اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۱۹،ص ۱۶

۲۔ایضاً،ص ۱۷

۳۔ایضاً،ص ۱۷

۴۔طارق ہاشمی،ڈاکٹر"عصری نظم اور ماحولیاتی مسائل"خیابیان،۲۰۱۸،ص ۴۱

۵۔محمد اشرف، فرزانہ کوکب" فطرت ، انسانی ماحولیات اور تخلیقی ادب: ایک مطالعہ "متن، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور،ص ۲۲۷

۶۔احتشام علی(مرتب)"مجید امجد نئے تناظر میں"بکین بکس لاہور ۲۰۱۱،ص ۷۵

۷۔علی محمد فرشی"محبت سے خالی دنوں میں"مثال پبلشرز،فیصل آباد،ص ۶۲،

۸۔ایضاً

https://www.poetryfoundation.org/collection/146462/poetry.and.environment - ۹

۱۰۔(ماحولیاتی تنقید"انتظار حسین کے افسانوں کے تناظر میں۔تحقیق نامہ،شمارہ ۲۱(جولائی تا دسمبر،۲۰۱۷)،ص ۱۸

۱۱۔علی محمد فرشی،"غاشیہ"پورب اکادمی،اسلام آباد،ص ۶۳

۱۲۔ایضاً،ص ۶۳

۱۳۔https://www.google.com/amp/s/www.bbc.com/urdu/world-53634602.amp

۱۴۔علی محمد فرشی،"زندگی خودکشی کا مقدمہ نہیں"فیض الاسلام پرنٹنگ پریس،راول پنڈی،ص ۴۶

۱۵۔علی محمد فرشی"محبت سے خالی دنوں میں"مثال پبلشرز،فیصل آباد،ص ۱۰۷

۱۶۔ایضاً،ص ۹۶،

۱۷۔ایضاً،ص ۳۷

۱۸۔محولہ بالا"غاشیہ"،ص ۹۵،

۱۹۔ محولہ بالا "محبت سے خالی دنوں میں" ص ۴۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۵۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۰

۲۲۔ محولہ بالا "غاشیہ" ص ۸۴

۲۳۔ محولہ بالا "زندگی خودکشی کا مقدمہ نہیں" ص ۸۵